

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَاً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَا
فَتَحْرِيرُ رَقْبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسْلِمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَدَّ قُواً
فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لِكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقْبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَإِنْ
كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْتُكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِنْ شَاقٍ فَدِيَةٌ مُسْلِمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ وَ
تَحْرِيرُ رَقْبَةٍ مُؤْمِنَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ

کسی مومن کا یہ کام نہیں ہے کہ دوسرا مومن کو قتل کرے، الایہ کہ اس سے چوک ہو جائے۔ [۱۲۰] اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کرے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ ایک مومن کو علامی سے آزاد کرے۔ [۱۲۱] اور مقتول کے وارثوں کو خون بھاڑے، [۱۲۲] الایہ کہ وہ خون بھاڑا معاف کر دیں۔ لیکن اگر وہ مسلمان مقتول کسی ایسی قوم سے تھا جس سے تمہاری دشمنی ہو تو اس کا کفارہ ایک مومن غلام آزاد کرنا ہے۔ اور اگر وہ کسی ایسی غیر مسلم قوم کا فرد تھا جس سے تمہارا معابدہ ہو تو اس کے وارثوں کو خون بھاڑا دیا جائے گا اور ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہوگا۔ [۱۲۳] پھر جو غلام نہ پائے وہ پے در پے دو صینے کے روزے رکھے۔ [۱۲۴]

[۱۲۰] یہاں ان منافق مسلمانوں کا ذکر نہیں ہے جن کے قتل کی اور اجازت دی گئی ہے، بلکہ ان مسلمانوں کا ذکر ہے جو یا تو دارالاسلام کے باشندے ہوں، یا اگر دارالحرب یا دارالکفر میں بھی ہوں تو تمہان اسلام کی کارروائیوں میں ان کی شرکت کا کوئی ثبوت نہ ہو۔ اس وقت بکثرت لوگ ایسے بھی تھے جو اسلام قبول کرنے کے بعد اپنی حقیقی مجبوریوں کی بنا پر تمہان اسلام قبیلوں کے درمیان ٹھیکرے ہوئے تھے۔ اور اکثر ایسے اتفاقات بیش آجاتے تھے کہ مسلمان کسی وہمن قبیلہ پر حملہ کرتے اور وہاں نادانشگی میں کوئی مسلمان ان کے ہاتھ سے مارا جاتا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں اس صورت کا حکم بیان فرمایا ہے جب کھلٹی سے کوئی مسلمان کسی مسلمان کے ہاتھ سے مارا جائے۔

[۱۲۱] پھونک مقتول مومن تھا اس لیے اس کے قتل کا کفارہ ایک مومن غلام کی آزادی قرار دیا گیا۔

[۱۲۲] تی عَلِيٰ نے خون بھاڑ کی مقدار سو اونٹ، یادو سو گائیں، یادو ہزار گیریاں مقرر فرمائی ہے۔ اگر دوسری کسی شکل میں کوئی شخص خون بھاڑ دینا چاہے تو اس کی مقدار انہی چیزوں کی بازاری قیمت کے لحاظ سے معین کی جائے گی۔ مثلاً نبی عَلِيٰ کے زمانہ میں نقد خون بھاڑ دینے والوں کے لیے ۸ سو دینار یا ۸ ہزار درہم مقرر تھے۔ جب حضرت عمرؓ کا زمانہ آیا تو انہوں نے فرمایا کہ اونٹوں کی قیمت اب چڑھ گئی ہے، لہذا اب سو نے کے لیے میں ایک ہزار دینار، یا چاندنی کے لیے میں ۱۲ ہزار درہم خون بھاڑ دیا جائے گا۔ مگر واضح رہے کہ خون بھاڑ کی یہ مقدار جو مقرر کی گئی ہے قتل عمدی صورت کے لیے نہیں ہے بلکہ قتل خطا کی صورت کے لیے ہے۔

[۱۲۳] اس آیت کے احکام کا خلاصہ یہ ہے:

اگر مقتول دارالاسلام کا باشندہ ہو تو اس کے قاتل کو خون بھاڑی دینا بھی دینا ہوگا اور خدا سے اپنے قصور کی معافی مانگنے کے لیے ایک غلام بھی آزاد کرنا ہوگا۔

اگر وہ دارالحرب کا باشندہ ہو تو قاتل کو صرف غلام آزاد کرنا ہوگا۔ اس کا خون بھاڑ کچھ نہیں ہے۔

اگر وہ کسی ایسے دارالکفر کا باشندہ ہو جس سے اسلامی حکومت کا معاہدہ ہے تو قاتل کو ایک غلام آزاد کرنا ہوگا اور اس کے علاوہ خون بھاڑی دینا ہوگا، لیکن خون بھاڑ کی مقدار وہی ہو گی جتنی اس معاہدہ قوم کے کسی غیر مسلم فرقہ کو قتل کر دیئے کی صورت میں ازروے معاہدہ دی جانی چاہیے۔

[۱۲۴] یعنی روز نسل کے جائیں، بیچ میں ناغہ نہ ہو۔ اگر کوئی شخص عذر شرعی کے بغیر ایک روزہ بھی بیچ میں چھوڑ دے تو از سر نور روزوں کا سلسہ شروع کرنا پڑے گا۔

تَوَبَّةً مِنَ اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ عَلَيْهَا حَكِيمًا ۝ وَمَنْ يَقْتُلُ مُؤْمِنًا فَسَعَى
فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعْنَةُ اللَّهِ أَعَدَّ لَهُ
عَذَابًا أَعَظَّ إِيمَانًا ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا أَضْرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتُ مُؤْمِنًا تَبَعُونَ

[۱۲۵] یہ اس گناہ پر اللہ سے توبہ کرنے کا طریقہ ہے اور اللہ علیم و دانا ہے۔ رہا وہ شخص جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی جزا جہنم ہے جس میں وہ بیشہ رہے گا۔ اس پر اللہ کا غصب اور اس کی لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لیے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے۔

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب تم اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلو تو دوست دشمن میں تیز کرو اور جو تمہاری طرف سلام سے تقدیم کرے اسے فوراً نہ کہہ دو کہ تو مومن نہیں ہے [۱۲۶] اگر تم دنیوی فائدہ چاہتے ہو تو

[۱۲۵] یعنی یہ ”جرمانہ“ نہیں بلکہ ”توبہ“ اور ”کفارہ“ ہے۔ جرمانہ میں ندامت و شرمساری اور اصلاح نفس کی کوئی روح نہیں ہوتی بلکہ عموماً وہ سخت ناگواری کے ساتھ بجبوراً دیا جاتا ہے اور پیراری وغیری اپنے پیچھے چھوڑ جاتا ہے۔ بر عکس اس کے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ جس بندے سے خطاب ہوئی ہے وہ عبادت اور کار خیر اور اداۃ حقوق کے دریجے سے اس کا اثر اپنی روح پر سے دھوڈے، اور شرمساری و ندامت کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرے، تاکہ نہ صرف یہ گناہ معاف ہو بلکہ آئندہ کے لیے اس کا نفس ایسی غلطیوں کے اعادہ سے بھی محفوظ رہے۔ کفارہ کے لغوی معنی ہیں ”چھپانے والی چیز“، کسی کار خیر کو گناہ کا ”کفارہ“، قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ یہ نیکی اس گناہ پر چھا جاتی ہے اور اسے ڈھانک لیتی ہے، جیسے کسی دیوار پر داغ لگ گیا ہو اور اس پر سفیدی پھیر کر داغ کا اثر منداہی جائے۔

[۱۲۶] ابتدائے اسلام میں ”السلام علیکم“ کا لفظ مسلمانوں کے لیے شعار اور علامت کی حیثیت رکھتا تھا اور ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو دیکھ کر یہ لفظ اس معنی میں استعمال کرتا تھا کہ میں تمہارے ہی گروہ کا آدمی ہوں، دوست اور خیر خواہ ہوں، میرے پاس تمہارے لیے سلامتی و عافیت کے سوا کچھ نہیں ہے، لہذا نہ تم مجھ سے دشمنی کرو اور نہ میری طرف سے عداوت اور ضرر کا اندریشہ رکھو۔ جس طرح فونج میں ایک لفظ شعار (Password) کے طور پر مقرر کیا جاتا ہے اور رات کے وقت ایک فونج کے آدمی ایک دوسرے کے پاس سے گزرتے ہوئے اسے اس غرض کے لیے استعمال کرتے ہیں کہ فونج مخالف کے آدمیوں سے میزز ہوں، اسی طرح اسلام کا لفظ بھی مسلمانوں میں شعار کے طور پر مقرر کیا گیا تھا۔ خصوصیت کے ساتھ اس زمان میں اس شعار کی اہمیت اس وجہ سے اور بھی زیادہ تھی کہ اس وقت عرب کے نو مسلموں اور کافروں کے درمیان لباس، زبان اور کسی دوسری چیز میں کوئی نمایاں امتیاز نہ تھا جس کی وجہ سے ایک مسلمان سرسری نظر میں دوسرے مسلمان کو بیچاں سکتا ہو۔

لیکن لڑائیوں کے موقعے پر ایک یونیورسٹی یہ پیش آتی تھی کہ مسلمان جب کسی دشمن گروہ پر حملہ کرتے اور وہاں کوئی مسلمان اس پیش میں آ جاتا تو وہ حملہ آور مسلمانوں کو یہ بتانے کے لیے کہ وہ بھی ان کا دشمن ہے ایک ”السلام علیکم“ یا ”لا اله الا الله“ پکارتا تھا، مگر مسلمانوں کو اس پر یہ شبہ ہوتا تھا کہ یہ کوئی کافر ہے جو شخص جان بچانے کے لیے جیل کر رہا ہے، اس لیے با اوقات وہ اسے قتل کر بیٹھتے تھے اور اس کی چیز س غیرمحت کے طور پر بولتے تھے۔ نبی ﷺ نے ایسے ہر موقعے پر نہایت سختی کے ساتھ سرزنش فرمائی۔ مگر اس قسم کے واقعات برابر پیش آتے رہے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس یونیورسٹی کو حکل کیا۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو مسلمان کی حیثیت

عَرَضَ الْجَيْوَةِ الَّذِيَا فَعِنَّ اللَّهِ مَعَانِيهِ كَثِيرَةٌ إِذْ لَكَ كُنْدُمْ مِنْ
قَبْلٍ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ حَسِيرًا ۚ
لَا يَسْتَوِي الْقَعِيدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ عَيْرُوا لِيَ الْقَرَرُ وَالْمُجْهِدُونَ
فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَصَلَّ اللَّهُ الْمُجْهِدِينَ
بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَعِيدِينَ دَرَجَةً طَوْكَلًا وَعَدَ اللَّهُ
الْحُسْنَى طَوْقَضَ اللَّهُ الْمُجْهِدِينَ عَلَى الْقَعِيدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ۖ

اللہ کے پاس تمہارے لیے بہت سے اموال غیرمت ہیں۔ آخر اسی حالت میں تم خود بھگی تو اس سے پہلے بتلارہ چکے ہو، پھر اللہ نے تم پر احسان کیا،^[۱۲۷] لہذا تحقیق سے کام لو، جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔ مسلمانوں میں سے وہ لوگ جو کسی معذوری کے بغیر گھر بیٹھے رہتے ہیں اور وہ جو اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرتے ہیں، دونوں کی حیثیت یکساں نہیں ہے۔ اللہ نے بیٹھنے والوں کی بہت جان و مال سے جہاد کرنے والوں کا درجہ بڑا رکھا ہے۔ اگرچہ ہر ایک کے لیے اللہ نے بھلاکی ہی کا وعدہ فرمایا ہے، مگر اس کے باش مجاہدوں کی خدمات کا معاوضہ بیٹھنے والوں سے بہت زیادہ ہے،^[۱۲۸]
سے پیش کر رہا ہے اس کے متعلق تہمیں سرسری طور پر یہ فیصلہ کردینے کا حق نہیں ہے کہ وہ محض جان بچانے کے لیے جھوٹ بول رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ سچا ہو اور ہو سکتا ہے کہ جھوٹا ہو۔ حقیقت تو تحقیق ہی سے معلوم ہو سکتی ہے۔ تحقیق کے بغیر چھوڑ دینے میں اگر یہ امکان ہے کہ ایک کافر جھوٹ بول کر جان بچائے جائے تو قتل کر دینے میں اس کا امکان بھی ہے کہ ایک مومن بے گناہ تمہارے ہاتھ سے مارا جائے۔ اور بہر حال تمہارا ایک کافر کو چھوڑ دینے میں غلطی کرنا اس سے بدر جہاز یادہ بہتر ہے کہ تم ایک مومن کو قتل کرنے میں غلطی کرو۔

[۱۲۷] یعنی ایک وقت تم پر بھی ایسا گزر چکا ہے کہ انفرادی طور پر مختلف کافر قبیلوں میں منتشر تھے، اپنے اسلام کو ظلم و ستم کے خوف سے چھپانے پر مجبور تھے، اور تمہارے پاس ایمان کے زبانی اقرار کے سوا اپنے ایمان کا کوئی ثبوت موجود نہ تھا۔ اب یہ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے تم کو اجتماعی زندگی عطا کی اور تم اس مقابلہ ہوئے کہ کفار کے مقابلہ میں اسلام کا جھنڈا بلند کرنے ائمہ ہو۔ اس احسان کا یہ کوئی سچی شکر نہیں ہے کہ جو مسلمان ابھی چلی حالت میں بتلا ہیں ان کے ساتھم نرمی و رعایت سے کام نہ لو۔

[۱۲۸] یہاں ان بیٹھنے والوں کا ذکر نہیں ہے جن کو جہاد پر جانے کا حکم دیا جائے اور وہ بہانے کر کے بیٹھ رہیں، یا تغیر عالم ہو اور جہاد فرض عین ہو جائے پھر بھی وہ جنگ پر جانے سے بھی چاہیں۔ بلکہ یہاں ذکر ان بیٹھنے والوں کا ہے جو جہاد کے فرض کا فایہ ہونے کی صورت میں میدان جنگ کی طرف جانے کے بجائے دوسرے کاموں میں لگدے ہیں۔ پہلی دو صورتوں میں جہاد کے لیے نہ لٹک والا صرف منافق ہی ہو سکتا ہے اور اس کے لیے اللہ کی طرف سے کسی بھلاکی کا وعدہ نہیں ہے۔ لا ایک کوہ کسی حقیقی معذوری کا شکار ہو۔ تخلاف اس کے یہ آخري صورت ایسی ہے جس میں اسلامی جماعت کی پوری فوجی طاقت مطلوب نہیں ہوتی بلکہ محض اس کا ایک حصہ مطلوب ہوتا ہے۔ اس صورت میں اگر امام کی طرف سے ایک کی جائے کہ کون سر باز ہیں جو فلاں مہم کے لیے اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں، تو جو لوگ اس دعوت پر بہک کہنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں وہ افضل ہیں بہت ان کے جو دوسرے کاموں میں لگے رہیں، خواہ وہ دوسرے کام بھی بجائے خود مفید ہوں۔

دَرَجَتِهِ مِنْهُ وَمَغْفِرَةً وَرَحْمَةً وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا
 ١٤٦ رَّحِيمًا إِنَّ الَّذِينَ تَوَقَّعُهُمُ الْمُلِّكُهُ طَالِبِيَّ أَنْفُسِهِمْ
 قَالُوا فِيهِمْ كُنْتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ
 قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتَهَا جَرُوا
 فِيهَا طَفَّا وَلِلَّهِ مَا أُولَئِكَ مَا وَهُمْ جَهَنَّمُ وَسَاءَتْ مَصِيرًا
 إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوُلْدَانِ
 لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَيِّلًا
 فَأَوْلَئِكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَعْفُوَ عَنْهُمْ وَكَانَ اللَّهُ

ان کے لیے اللہ کی طرف سے بڑے درجے ہیں اور مغفرت اور رحمت ہے، اور اللہ بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

جو لوگ اپنے نفس پر ظلم کر رہے تھے [۱۲۹] ان کی رو جیں جب فرشتوں نے قبض کیں تو ان سے پوچھا کہ یہ تم کس حال میں بتلا تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم زمین میں کمزور و مجبور تھے۔ فرشتوں نے کہا، کیا خدا کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں بھرت کرتے؟ [۱۳۰] یہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بڑا ہی براٹھکانا ہے۔ ہاں جو مرد، عورتیں اور بچے واقعی بے بس ہیں اور نکلنے کا کوئی راستہ اور ذریعہ نہیں پاتے، بعد نہیں کہ اللہ انہیں معاف کر دے، اللہ بڑا

[۱۲۹] مراد وہ لوگ ہیں جو اسلام قبول کرنے کے بعد بھی ابھی تک بلا کسی مجبوری و معدودی کے اپنی کافر قوم ہی کے درمیان مقیم تھے اور نیم مسلمانہ اور نیم کافرانہ زندگی بسر کرنے پر راضی تھے، در آنحالیکہ ایک دارالاسلام میں یہاں کھا تھا جس کی طرف بھرت کر کے اپنے دین و اعتقاد کے مطابق پوری اسلامی زندگی بسر کرنا ان کے لیے ممکن ہو گیا تھا۔ اور دارالاسلام کی طرف سے ان کو یہ دعوت بھی دی جائیکی تھی کہ اپنے ایمان کو چانس کے لیے وہ اس کی طرف بھرت کر آئیں۔ یعنی ان کا اپنے نفس پر ظلم تھا کیونکہ ان کو پوری اسلامی زندگی کے مقابلہ میں اس نیم کافروں نیم اسلام پر جس چیز نے قانع و مطمئن کر رکھا تھا وہ کوئی واقعی مجبوری نہ تھی، بلکہ محض اپنے نفس کے عیش اور اپنے خاندان، اپنی جانکاری اور املاک اور اپنے دینیوں مفاد کی محبت تھی ہے انہوں نے اپنے دین پر ترجیح دی۔ (مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو جا شیہ [۱۱۶])

[۱۳۰] یعنی جب ایک جگہ خدا کے بغایوں کا غلبہ تھا اور خدا کے قانون شرعی پر عمل کرنا ممکن نہ تھا تو وہاں رہنا کیا ضرور تھا؟ کیوں نہ اس جگہ کو چھوڑ کر کسی ایسی سر زمین کی طرف منتقل ہو گئے جہاں قانون الہی کی پیری و ممکن ہوتی؟

عَفُواْ غَفُورًا ۝ وَمَنْ يَهَا حِرْزٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ
فِي الْأَرْضِ مُرَاغِمًا كَثِيرًا وَسَعَةً ۝ وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ
بَيْتِهِ مُهَا حِرْزًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكُهُ الْمَوْتُ ۝
فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝
وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ ۝ أَنْ
تَقْصُرُواْ مِنَ الصَّلَاةِ ۝ إِنْ خَفْتُمْ أَنْ يَقْتَنِمُ الَّذِينَ

معاف کرنے والا اور درگز فرمانے والا ہے۔ جو کوئی اللہ کی راہ میں بھرت کرے گا وہ زین میں پناہ لینے کے لیے بہت جگہ اور بساوقات کے لیے بڑی گنجائش پائے گا، اور جو اپنے گھر سے اللہ اور رسول کی طرف بھرت کے لیے نکل، پھر راستہ ہی میں اسے موت آجائے اس کا اجر اللہ کے ذمے واجب ہو گیا، اللہ بہت بخشش فرمانے والا اور رحیم ہے [۱۳۱] اور جب تم لوگ سفر کے لیے نکلو تو کوئی مضاائقہ نہیں اگر نماز میں اختصار کرو [۱۳۲] (خصوصاً) جبکہ تمہیں اندر یہ ہو کہ کافر

[۱۳۱] یہاں یہ بات سمجھ لئی چاہیے کہ جو شخص اللہ کے دین پر ایمان لا یا ہو اس کے لیے نظام کفر کے تحت زندگی برکرنا صرف دوہی صورتوں میں جائز ہو سکتا ہے۔ ایک یہ کہ وہ اسلام کو اس سرزی میں غالب کرنے اور نظام کفر کو نظام اسلام میں تبدیل کرنے کی جدوجہد کرتا رہے جس طرح انبیاء علیہم السلام اور ان کے ابتدائی پیروکرتے رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ درحقیقت وہاں سے نکلنے کی کوئی راہ نہ پاتا ہو اور سخت نفرت و بیزاری کے ساتھ وہاں مجبورانہ قیام رکھتا ہو۔ ان دو صورتوں کے سوا ہر صورت میں دارالکفر کا قیام ایک مستقل موصیت ہے۔

بعض لوگوں کو ایک حدیث سے غلط فہمی ہوئی ہے جس میں ارشاد ہوا ہے کہ لا هجرة بعد الفتح، یعنی فتح مکہ کے بعداب بھرت نہیں ہے۔ حالانکہ دراصل یہ حدیث کوئی داعی حکم نہیں ہے بلکہ صرف اس وقت کے حالات میں اہل عرب سے ایسا فرما�ا گیا تھا۔ جب تک عرب کا پیشتر حصہ دارالکفر و دارالحرب تھا اور صرف مدینہ و اطراف مدینہ میں اسلامی احکام جاری ہو رہے تھے، مسلمانوں کے لیے تاکیدی حکم تھا کہ ہر طرف سے سست کردار اسلام میں آجائیں۔ مگر جب فتح مکہ کے بعد عرب میں کفر کا زور نوث گیا اور قریب پورا ملک اسلام کے زیر نکلیں آگیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اب بھرت کی حاجت باقی نہیں رہی ہے۔ اس سے یہ مراد ہرگز نہ تھی کہ تمام دنیا کے مسلمانوں کے لیے تمام حالات میں قیامت تک کے لیے بھرت کی فرضیت منسوخ ہو گئی ہے۔

[۱۳۲] زمانہ امن کے سفر میں قصر یہ ہے کہ جن اوقات کی نماز میں چار کعیں فرض ہیں ان میں دور کعیں پڑھی جائیں۔ اور حالات جنگ میں قصر کے لیے کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ جنکی حالات جس طرح بھی اجازت دیں، نماز پڑھی جائے۔ جماعت کا موقع ہو تو جماعت سے پڑھو تو نہ فردا فردا ہی سکی۔ قبل درخندہ ہو سکتے ہو تو جد بھی رخ ہو۔ سواری پر میٹھے ہوئے اور چلتے ہوئے بھی پڑھ سکتے ہو۔ رکوع و سجدة ممکن نہ ہو تو اشارہ ہی سے سکی۔ ضرورت پڑے تو نماز ہی کی حالت میں چل بھی سکتے ہو۔ کپڑوں کو خون لگا ہوا ہوت بھی مضاائقہ نہیں۔ ان سب آسانیوں کے باوجود اگر ایسی پختہ حالات ہو کہ کسی طرح نماز نہ پڑھی جاسکے تو مجبوراً موخر کی جائے جیسے جنگ خندق کے موقع پر ہوا۔

كَفَرُوا إِنَّ الْكُفَّارِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا أَمْبِيَّنَا^{١٥}
 وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَاقْمِتْ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقْمِ طَائِفَةً مِّنْهُمْ
 مَّعَكَ وَلْيَا خُذْ وَآسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا
 مِنْ وَرَائِكُمْ وَلْتَأْتِ طَائِفَةً أُخْرَى لَمْ يُصْلُوا فَلْيُصْلُوا

تمہیں ستائیں گے [۱۳۲] کیونکہ وہ حکم خلا تہاری دشمنی پر تسلی ہوئے ہیں۔

اور اے نبی! جب تم مسلمانوں کے درمیان ہو اور (حالت جنگ میں) انھیں نماز پڑھانے کھڑے [۱۳۳] ہو تو چاہیے کہ [۱۳۵] ان میں سے ایک گروہ تمہارے ساتھ کھڑا ہو اور اپنے اسلحہ لیے رہے، پھر جب وہ سجدہ کر لے تو چچھے چلا جائے اور دوسرا گروہ جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی ہے آکر تمہارے ساتھ پڑھے

[۱۳۳] ظاہر یوں اور خارجیوں نے اس فقرے کا یہ مطلب لیا ہے کہ قصر صرف حالت جنگ کے لیے ہے اور حالات امن کے سفر میں قصر کرنا قرآن کے خلاف ہے۔ لیکن حدیث میں مستدر راویت سے ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب بھی شہر نبی ﷺ کے سامنے پیش کیا تو حضورؐ نے فرمایا صدقہ تصدق اللہ بھا علیکم فاقبلوا صدقہ۔ ”یہ قصر کی اجازت ایک انعام ہے جو اللہ نے تمہیں بخشتا ہے، الہذا اس کے انعام کو قبول کرو۔“ یہ بات قریب قریب تو اتر سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے اس انعام کو خوف دنوں حالتوں کے سفر میں قصر فرمایا ہے۔ ابن عباسؓ تصریح کرتے ہیں کہ ان النبی ﷺ خرج من المدينة الى مكة لا يخفى الارب العلمين فصلى رکعتين۔ ”نبی ﷺ مدینے سے مکہ شریف لے گئے اور اس وقت العالیین کے سوا کسی کا خوف نہ تھا، مگر آپ نے دو ہی رکعتیں پڑھیں۔“ اسی بنا پر میں نے ترجیح میں خصوصاً کاظفو سین میں بڑھادیا ہے۔

[۱۳۴] امام ابو یوسف اور حسن بن زیاد نے ان الفاظ سے یہ مان کیا ہے کہ صلوٰۃ خوف صرف نبی ﷺ کے زمانہ کے لیے منصوص تھی۔ لیکن قرآن میں اس کی مثالیں بکثرت موجود ہیں کہ نبی ﷺ کو مغلوب کر کے ایک حکم دیا گیا ہے اور وہی حکم آپ کے بعد آپ کے جانشینوں کے لیے بھی ہے۔ اس لیے صلوٰۃ خوف کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ خصوص کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ پھر بکثرت جملیں القدر صحابہ سے ثابت ہے کہ انہوں نے حضورؐ کے بعد بھی صلوٰۃ خوف پڑھی ہے اور اس باب میں کسی صحابی کا اختلاف مردی نہیں ہے۔

[۱۳۵] صلوٰۃ خوف کا یہ حکم اس صورت کے لیے ہے جب کہ دشمن کے ہندلہ کا خطرہ تو ہو گر عملہ معرکہ قاتل گرم نہ ہو۔ رہی یہ صورت کہ عملہ جنگ ہو رہی ہو تو اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک نماز مذکور کر دی جائے گی۔ امام مالکؓ اور امام شوریؓ کے نزدیک اگر کوئ و تجوہ ممکن نہ ہو تو اشاروں سے پڑھ لی جائے۔ امام شافعیؓ کے نزدیک نماز ہی کی حالت میں تھوڑی سی زد و خود بھی کی جاسکتی ہے۔ نبی ﷺ کے فعل سے ثابت ہے کہ آپ نے غزوہ خندق کے موقع پر چار نمازیں نہیں پڑھیں اور پھر موقع پا کر علی الترتیب انہیں ادا کیا، حالانکہ غزوہ خندق سے پہلے صلوٰۃ خوف کا حکم آپ کا تھا۔

مَعَكَ وَلَيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ وَدَائِلِزِينَ
كَفَرُوا لَوْ تَعْقِلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتَعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ
عَلَيْكُمْ مَيْلَةً وَأَحِدَّةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ
آذَى مِنْ مَطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَنْ تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ وَ
وَخُذُوا حِذْرَهُمْ إِنَّ اللَّهَ أَعْدَ لِلْكُفَّارِينَ عَذَابًا مُهِينًا ﴿١٥﴾

اور وہ بھی چوکنار ہے اور اپنے اسلحہ لیے رہے ہیں،^[۱۳۶] کیوں کہ کفار اس تاک میں ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان کی طرف سے ذرا غافل ہو تو وہ تم پر یکبارگی ٹوٹ پڑیں۔ البتہ اگر تم بارش کی وجہ سے تکلیف محسوس کرو یا یہاں ہو تو اسلحہ کھڑے دینے میں مضائقہ نہیں، مگر پھر بھی چونکہ رہو۔ یقین رکھو کہ اللہ نے کافروں کے لیے رسول ان عذاب مہیا کر رکھا ہے۔^[۱۳۷]

[۱۳۶] صلوٰۃ خوف کی ترکیب کا انحصار بڑی حد تک بنگلی حالات پر ہے۔ نبی ﷺ نے مختلف حالات میں مختلف طریقوں سے نماز پڑھانی ہے اور امام وقتِ مجاز ہے کہ ان طریقوں میں سے جس طریقہ کی اجازت بنگلی صورت حال دے اسی کو اختیار کرے۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ خوف کا ایک حصہ امام کے ساتھ نماز پڑھنے اور دوسرا حصہ دشمن کے مقابلہ پر رہنے۔ پھر جب ایک رکعت پوری ہو جائے تو پہلا حصہ سلام پھیر کر چلا جائے اور دوسرا حصہ آ کر دوسرا رکعت امام کے ساتھ پوری کرے۔ اس طرح امام کی دو رکعیتیں ہوں گی اور خوف کی ایک ایک رکعت۔

دوسری طریقہ یہ ہے کہ ایک حصہ امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھ کر چلا جائے، پھر دوسرا حصہ آ کر ایک رکعت امام کے پیچے پڑھے، پھر دونوں حصے باری باری سے آ کر اپنی چھوٹی ہوئی ایک ایک رکعت ابطور خود ادا کر لیں۔ اس طرح دونوں حصوں کی ایک ایک رکعت امام کے پیچھے ادا ہوگی، اور اک رکعت انفرادی طور پر۔

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ امام کے پیچے فوج کا ایک حصہ دور کی گئیں ادا کرے اور تشبید کے بعد سلام پھیر کر چلا جائے۔ پھر دوسرا حصہ تیسرا رکعت میں آکر شرپ ہو اور امام کے ساتھ سلام پھیرے۔ اس طرح امام کی چار اور فوج کی دو دو رکعتیں ہوں گی۔

چوتھا طریقہ یہ ہے کہ فوج کا ایک حصہ امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھئے اور جب امام دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہو تو مقدمتی بطور خود ایک رکعت مع تشبید پڑھ کر سلام پھیر دیں۔ پھر دوسرا حصہ اکارس حال میں امام کے پیچھے کھڑا ہو کہ ابھی امام دوسری ہی رکعت میں ہو اور یہ لوگ بقیہ نماز امام کے ساتھ ادا کرنے کے بعد ایک رکعت خود انٹھ کر پڑھ لیں۔ اس صورت میں امام کو دوسری رکعت میں طویل قیام کرنا ہو گا۔ پہلی صورت کو ابن عباس، جابر بن عبد اللہ اور مجاہدؓ نے روایت کیا ہے۔ دوسرے طریقہ کو عبد اللہ بن مسعودؓ نے روایت کیا ہے اور حنفی اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ تیسرا طریقہ حسن بصریؓ نے ابوکمرہ سے روایت کیا ہے۔ اور چوتھے طریقہ کو امام شافعی اور مالکؓ نے تھوڑے اختلاف کے ساتھ ترجیح دی ہے اور اس کا مأخذ میں بن ابی حمزةؓ کی روایت ہے۔

۱۱۔ کربلا و مصلحت خلاف کے بھی طبق لقمان جم۰۰۷۳۶ تفصیل مسموٰ ملائیں۔ میں نے اسکے

[۱۳۷] یعنی یہ اختیاط جس کا حکم تمہیں دیا جا رہا ہے، محض و نبیو تد ابیر کے لحاظ سے ہے، ورنہ دراصل فتح و تکست کا مدار تھماری تد ابیر پر نہیں بلکہ اللہ کے فیصلہ پر ہے۔ اس لیے ان اختیاطی تد بیرون پر عمل کرتے ہوئے تمہیں اس امر کا یقین رکھنا چاہیے کہ جو لوگ اللہ کے فور کو اُن بھوکوں سے بچانے کی کوشش کر رہے ہیں، اللہ اشا شہر رسم اور اکرے گا۔

فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَادْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَ قُعُودًا
وَ عَلَى جُنُوبِكُمْ حَفَاظًا أَطْمَأْنُتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ إِنَّ
الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتْبًا مَوْقُوتًا وَ لَا تَهْنُوْا
فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ إِنَّ تَكُونُوا تَائِلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ
كَمَا تَأْلَمُونَ وَ تَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ وَ كَانَ اللَّهُ
عَلَيْهِ حَكِيمًا إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ
الْمُتَّسِئِينَ يَمَّا أَرَيْكَ اللَّهُ وَ لَا تَكُنْ لِلْخَائِفِينَ خَصِيمًا

پھر جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو کھڑے اور بیٹھنے اور لیٹنے، ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے رہو۔ اور جب اطمینان نصیب ہو جائے تو پوری نماز پڑھو۔ نمازوں کی حقیقت ایسا فرض ہے جو پابندی وقت کے ساتھ اہل ایمان پر لازم کیا گیا ہے۔ اس گروہ [۱۳۸] کے تعاقب میں کمزوری نہ دکھاؤ۔ اگر تم تکلیف اخخار ہے ہو تو تمہاری طرح وہ بھی تکلیف اخخار ہے ہیں۔ اور تم اللہ سے اس چیز کے امیدوار ہو جس کے وہ امیدوار نہیں ہیں [۱۳۹] اللہ سب کچھ جانتا ہے اور وہ حکیم و دانا ہے ہے اے نبی! [۱۴۰] ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تمہاری طرف نازل کی ہے تاکہ جو راہ راست اللہ نے تمہیں دکھائی ہے اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو۔ تم بد دیانت لوگوں کی طرف سے جھوٹنے والے نہ ہو،

[۱۳۸] یعنی گروہ کفار جو اس وقت اسلام کی دعوت اور نظام اسلامی کے قیام کی راہ میں مانع و مزاحم بن کر کھڑا ہوا تھا۔

[۱۳۹] یعنی تعجب کا مقام ہے اگر اہل ایمان حق کی خاطراتی تکفیریں بھی برداشت نہ کریں ہتنی کفار باللہ کی خاطر برداشت کر رہے ہیں، حالانکہ ان کے سامنے صرف دنیا اور اس کے ناپائیدار فائدے ہیں، اور اس کے برکس اہل ایمان رب الملوک والارض کی خوش نوادری و تقرب اور اس کے ابدی انعامات کے امیدوار ہیں۔

[۱۴۰] اس روکوں اور اس کے بعد والے روکوں میں ایک اہم معاملہ سے بحث کی گئی ہے جو اسی زمانہ میں پیش آیا تھا۔ قصہ یہ ہے کہ انصار کے قبیلہ بنی قضر میں ایک شخص طعہ یا شیر بن ایبرق تھا۔ اس نے ایک انصاری کی زرہ چراںی۔ اور جب اس کا تجسس شروع ہوا تو مال مسروق ایک یہودی کے ہاں رکھ دیا۔ زرہ کے مالک نے آنحضرت ﷺ سے استغاش کیا اور طعہ پر اپنا شہید ظاہر کیا۔ مگر طعہ اور اس کے بھائی بندوں اور بنی قضر کے بہت سے لوگوں نے آپس میں اتفاق کر کے اس یہودی پر انتقام تھوپ دیا۔ یہودی سے پوچھا گیا تو اس نے اپنی برآت ظاہر کی۔ لیکن یہ لوگ طعہ کی حمایت میں زور شور سے دکالت کرتے رہے اور کہا کہ یہ یہودی جبیش، جو حق کا انکار اور اللہ کے رسول سے کفر کرنے والا ہے، اس کی بات کا کیا اعتبار، بات ہماری تسلیم کی جانی چاہیے کیونکہ ہم مسلمان ہیں۔ قریب تھا کہ بنی ملک ﷺ اس مقدمہ کی ظاہری رواداد سے متاثر ہو کر اس یہودی کے خلاف فیصلہ صادر فرمادیتے اور مستغاث کو بھی بنی ایبرق پر الزام عائد کرنے پر توجیہ فرماتے۔ اتنے میں وحی آئی اور معاملہ کی ساری حقیقت کھول دی گئی۔

وَأَسْتَغْفِرِ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝ وَلَا تُجَادِلُ
عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنفُسَهُمْ ۝ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ
كَانَ حَوَانًا أَتَيْمًا ۝ يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا
يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّنُونَ مَالًا
يَرْضَى مِنَ الْقَوْلِ ۝ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ۝
آهَنُّهُمْ هُؤُلَاءِ جَادُلُهُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَمَنْ

اور اللہ سے درگز کی درخواست کرو، وہ بڑا درگز رفرمانے والا اور رحیم ہے۔ جو لوگ اپنے نفس سے خیانت کرتے ہیں [۱۳۰] تم ان کی حمایت نہ کرو۔ اللہ کو ایسا شخص پسند نہیں ہے جو خیانت کار اور معصیت پیشہ ہو۔ یہ لوگ انسانوں سے اپنی حرکات چھپا سکتے ہیں مگر خدا سے نہیں چھپا سکتے۔ وہ تو اس وقت بھی ان کے ساتھ ہوتا ہے جب یہ راتوں کو چھپ کر اس کی مرضی کے خلاف مشورے کرتے ہیں۔ ان کے سارے اعمال پر اللہ محیط ہے۔ ہاں، تم لوگوں نے ان مجرموں کی طرف سے دنیا کی زندگی میں تو بھگڑا کر لیا، مگر

اگرچہ ایک قاضی کی حیثیت سے نبی ﷺ کا رواداد کے مطابق فیصلہ کر دینا بجائے خود آپ کے لیے کوئی گناہ نہ ہوتا۔ اور ایسی صورتیں قاضیوں کو پیش آتی ہیں کہ ان کے سامنے غلط رواداد پیش کر کے حقیقت کے خلاف فیصلے حاصل کر لیے جاتے ہیں۔ لیکن اس وقت جب کہ اسلام اور کفر کے درمیان ایک زبردست شکلش برباٹھی، اگر نبی ﷺ رواداد مقدمہ کے مطابق یہودی کے خلاف فیصلہ صادر فرمادیتے تو اسلام کے مخالفوں کو آپ کے خلاف اور پوری اسلامی جماعت اور خود دعوت اسلامی کے خلاف ایک زبردست اخلاقی حریبل جاتا۔ وہ یہ کہتے پھرتے کہ اسی یہاں حق و انصاف کا کیا سوال ہے، یہاں تو وہی جنہیں بندی اور عصیت کا م کر رہی ہے، جس کے خلاف تبلغ کی جاتی ہے۔ اسی خطرے سے بچانے کے لیے الش تعالیٰ نے خاص طور پر اس مقدمہ میں مداخلت فرمائی۔

ان رکوعوں میں ایک طرف ان مسلمانوں کو تھی کہ ساتھ ملامت کی گئی ہے جنہوں نے محض خاندان اور قبیلہ کی عصیت میں مجرموں کی حمایت کی تھی۔ دوسری طرف عام مسلمانوں کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ انصاف کے معاملہ میں کسی تعصباً کا داخل نہ ہونا چاہیے۔ یہ گزر دیانت نہیں ہے کہ اپنے گروہ کا آدمی اگر برسراہ میں ہو تو اس کی بے جامیات کی جائے اور دوسرے گروہ کا آدمی اگر برسراہ میں ہو تو اس کے ساتھ بے انصافی کی جائے۔

[۱۳۱] جو شخص دوسرے کے ساتھ خیانت کرتا ہے وہ دو صل سب سے پہلے خود اپنے نفس کے ساتھ خیانت کرتا ہے۔ کیونکہ دل اور دماغ کی جو قویں اس کے پاس ابطورانہت ہیں ان پر بے جا تصرف کر کے وہ انہیں مجبوکرتا ہے کہ خیانت میں اس کا ساتھ دیں۔ اور اپنے ضمیر کو مجھے اللہ نے اس کے اخلاق کا محافظہ بنایا تھا، اس حد تک دبادیتا ہے کہ وہ اس خیانت کا ری میں سدرہ اب بننے کے قابل نہیں رہتا۔ جب انسان، اپنے اندر اس ظالمانہ دست بردا کو پایہ تکمیل تک پہنچالیتا ہے تب کہیں باہر اس سے خیانت و معصیت کے افعال صادر ہوتے ہیں۔

يَجَادِلُ اللَّهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَمْ مَنْ يَكُونُ عَلَيْهِمْ
وَكِيلًاٖ ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ
يَجِدِ اللَّهَ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝ وَمَنْ يَكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبْهُ
عَلَى نَفْسِهِ ۝ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ وَمَنْ يَكْسِبْ
خَطِيئَةً أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْدِمْ بِهِ بَرِيًّا فَقَدْ أَحْتَمَ بُهْتَانًا
وَإِثْمًا مُّبِينًا ۝ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهُمْ
ظَّاِيفَةٌ مِّنْهُمْ أَنْ يُضْلُوكَ ۝ وَمَا يُضْلُونَ إِلَّا أَنْفَسَهُمْ وَمَا
يَضْرُونَكَ مِنْ شَيْءٍ ۝ وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ
وَعَلَمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۝ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ۝

قيامت کے روز ان کے لیے اللہ سے کون جھگڑا کرے گا؟ آخروہاں کون ان کا وکیل ہو گا؟ اگر کوئی شخص برافصل کر گزرے یا اپنے نفس پر ظلم کر جائے اور اس کے بعد اللہ سے درگزر کی درخواست کرے تو اللہ کو درگزر کرنے والا اور حکیم پائے گا۔ مگر جو برائی کمالے تو اس کی یہ سماں اسی کے لیے دبالت ہو گی، اللہ کو سب باتوں کی خبر ہے اور وہ حکیم و دانا ہے۔ پھر جس نے کوئی خطایا گناہ کر کے اس کا الزام کسی بے گناہ پر تھوپ دیا اس نے تو بڑے بہتان اور صریح گناہ کا بار سمیٹ لیا ہے اسے نبی! اگر اللہ کا فضل تم پر نہ ہوتا اور اس کی رحمت تمہارے شامل حال نہ ہوتی تو ان میں سے ایک گروہ نے تو تمہیں غلط فہمی میں بنتا کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا تھا، حالاں کہ درحقیقت وہ خود اپنے سوا کسی کو غلط فہمی میں بنتا نہیں کر رہے تھے اور تمہارا کوئی نقصان نہ کر سکتے تھے۔ [۱۳۲] اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور تم کو وہ کچھ بتایا ہے جو تمہیں معلوم نہ تھا، اور اس کا فضل تم پر بہت ہے۔

[۱۳۲] یعنی اگر وہ غلط روادواد پیش کر کے تمہیں غلط فہمی میں بنتا کرنے میں کامیاب ہو جی گی جاتے اور اپنے حق میں انصاف کے خلاف فیصلہ حاصل کر لیتے تو نقصان انہی کا تھا، تمہارا کچھ بھی نہ بگرتا۔ یونکہ خدا کے نزدیک مجرم وہ ہوتے نہ کہم۔ جو شخص حاکم کو دھوکا دے کر اپنے حق میں غلط فیصلہ حاصل کرتا ہے وہ دراصل خود اپنے آپ کو اس غلط فہمی میں بنتا کرتا ہے کہ ان تدبیروں سے حق اس کے ساتھ ہو گیا، حالانکہ فی الواقع اللہ کے نزدیک حق جس کا ہے اسی کا رب تباہے اور حاکم عدالت کے کسی غلط فہمی کی بنا پر فیصلہ کر دینے سے حققت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ (ملا حظہ ہوسورہ بقرہ، حاشیہ ۱۹۷)